الفاظِ طلاق سے متعلقہ اُصولوں کی تفہیم وتشریح

(بارہویں قسط)

مفتی شعیب عالم

سترہواں فائدہ

عرف

یہ فائدہ عرف کے متعلق ہے جو بیان میں سب سے مؤخر ہے، مگر اہمیت میں سب سے مقدم ہے۔ اُسے پہلے اور نمایاں ذکر کرنا چاہیے تھا، مگر اس کی حیثیت خلاصہ اور اختتامیہ کی ہے، اس لیے اسے اختتام ہی میں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں چند ایسے چیدہ چیدہ امور ذکر کیے جاتے ہیں، جس سے عرف کی اہمیت ووقعت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

۱:.....طلاق کے معاملے میں جو الفاظ قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں، وہ وہی ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت عرب معاشرے میں اس مقصد کے لیے رائج تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں طلاق کے علاوہ ایلاء اور ظہار کے ذریعے بھی رسم طلاق ادا کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں شوہر کے اختیارِ طلاق پر کوئی قدغن عائد تھی نہ ہی طلاق کا جواز کسی خاص صیغہ پر موقوف تھا، بلکہ ایک کنایہ لفظ کہہ دینا بھی صحت طلاق کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے تو طلاق کی گرہ مرد کے ہاتھ میں رکھی ہے اور وہی اُسے کھول سکتا ہے، مگر اس وقت کے روشن خیالوں نے گرہ کشائی کا یہ اختیار عورت کو بھی تفویض کردیا تھا اور وہ ایک خاص فعل انجام دے کر مثلاً دروازے کا رخ بدل کر شوہر کو طلاق دی سکتی تھی، گویا فعل کے ذریعے ایقاعِ طلاق کوئی جدید تصور نہیں بلکہ جاہلی ذہن کی پیداوار ہے۔

بہرحال شیوع اسلام سے قبل بھی رسمِ طلاق جاری تھی اور مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی تھی اور جاہلی ذہن نے اُسے بے شمار مفاسد کا مجموعہ بنادیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب طلاق تھی تو اس مقصد کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ بھی تھے اور شریعت ان ہی کی زبان میں اتری ہے، اس لیے طلاق کے لیے جو الفاظ کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، وہ وہی ہیں جو اس وقت کے عرب معاشرے میں رائج تھے۔ یہی الفاظ جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں، وہی فقہ کی کتابوں میں منقول چلے آرہے ہیں۔ اس طرح طلاق کے

الفاظ کا ماخذ کتب فقہ ہیں اور کتب فقہ کا ماخذ کتاب وسنت اور کتاب وسنت کا ماخذ اس زمانے کی زبان، عرف اور معاشرہ ہیں۔

۲:.....قرآن مجید میں طلاق کے بیان کے لیے ''طلاق''، ''فراق'' اور ''سراح'' وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں، جب کہ احادیث وآثار میں ''بتة، بتلة'' وغیرہ الفاظ وارد ہیں۔ مصنفات میں معمولی تلاش سے پندرہ بیس کے قریب الفاظ دستیاب ہو جاتے ہیں۔ فقہاء نے ان الفاظ کو نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ جو الفاظ ان کی مقامی زبانوں میں طلاق کا مفہوم رکھتے تھے وہ بھی درج کر لیے ہیں اور ساتھ ہی اپنے زمانے کے عرف کو مدنظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کی نوعیت اور حیثیت بھی متعین کر دی ہے، مثلاً: جو الفاظ طلاق ہی کے لیے مروج ومستعمل تھے انہیں صریح قرار دیا اور جو طلاق کے علاوہ دوسرا مفہوم بھی رکھتے تھے اور ان کا غالب استعمال طلاق کے لیے نہ تھا، ایسے الفاظ کو کنایہ کی فہرست میں شمار کر لیا ہے۔ اس طرح پچھلے زمانے کے الفاظ جمع اور محفوظ ہوتے رہے اور نئے الفاظ اس میں اضافہ اور زیادہ ہوتے رہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کتب فقہ وفتاویٰ میں الفاظِ طلاق کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو عربی، فارسی اور اردو الفاظ پر مشتمل ہے، مگر چونکہ یہ الفاظ نہ تو ایک زمانے کے ہیں اور نہ ہی ایک زبان کے ہیں، بلکہ مختلف زمانوں اور زبانوں کے ہیں، اس لیے صرف کتب فقہ میں کسی لفظ کا مذکور ہونا اس کے طلاق کا لفظ ہونے کے لیے کافی نہیں، بلکہ متکلم کی زبان اور عرف کی رعایت ضروری ہے۔ لفظ حرام کے متعلق دیکھ لیجیے کہ کسی زمانہ میں کنایہ تھا، مگر اب صریح سمجھا جاتا ہے۔

فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ جو لفظ کسی زبان میں کنایہ ہے اس کا حکم عربی کنایہ کا اور جو صریح ہے اس کا حکم عربی کے صریح کا ہے۔ اس اصول کا منشأ یہی ہے کہ عربی الفاظ متکلم پر لاگو اور نافذ نہیں ہیں، بلکہ وہ رہنمائی اور رہبری کے واسطے درج ہیں اور ان سے مدد لے کر مقامی لفظ کے متعلق ہدایت اور رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، مثلاً: شوہر نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ اس کی زبان میں کنایہ ہے اور عربی میں کنایہ سے وقوعِ طلاق نیت یا دلالت سے مشروط ہوتا ہے، اس لیے اس مقامی لفظ سے طلاق کا وقوع بھی نیت یا دلالت سے مشروط ہوگا۔ زیادہ واضح الفاظ میں ''نکل جاؤ'' کا حکم وہی ہے جو ''اخرجی'' کا ہے۔

۳:.....طلاق کے الفاظ میں سے کچھ صریح ہیں اور کچھ صریح سے ملحق ہیں اور کچھ کنایہ ہیں۔ یہ تقسیم عرف کے پیش نظر ہے، کیوں کہ صریح اور کنایہ ہونے کا مدار معنی کے صاف اور واضح ہونے یا خفی اور پوشیدہ ہونے پر نہیں، بلکہ استعمال اور عدم استعمال پر ہے۔ کسی لفظ کا معنی کتنا ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہو، مگر جب وہ طلاق کے علاوہ بھی استعمال ہوتا ہے تو وہ کنایہ ہے اور ایک لفظ جس کا معنی پوشیدہ اور مبہم ہے، مگر اس کا عام استعمال طلاق کے لیے ہوتا ہے تو وہ صریح ہے۔ الغرض مدار اور معیار عرف ہے اور اسی کی وجہ سے صریح اور کنایہ کی تقسیم بھی ہے اور اسی کی وجہ سے فقہاء کے نزدیک ان دونوں کی تعریف اصولیین کی تعریف سے مختلف ہے۔

اگر درج بالا اصول تسلیم ہے اور انکار کی کوئی وجہ نہیں تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محض

وضع کی وجہ سے کوئی لفظ صریح نہیں بن سکتا جب تک وضع کے ساتھ عرف ہم آہنگ نہ ہو اور جب عرف وضع سے جدا ہوتا ہے تو صریح کی صراحت بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ پھر کنایہ کے مقام پر آجاتا ہے۔

اس بحث سے لغت میں عرف کا عمل دخل سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ کس طرح لغت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک لفظ کا لغوی مفہوم طلاق کا ہے مگر وہ پھر بھی نیت کا محتاج ہے، مگر جب وہ عرف کی وجہ سے صریح بن گیا تو اب نیت کی احتیاج نہ رہی اور اس سے بلا نیت بھی طلاق واقع ہے۔

۴:.....جس طرح صریح اور کنایہ کا مدار عرف پر ہے، اسی طرح صریح کے کنایہ بننے اور کنایہ کے صریح ہو جانے کا مدار بھی عرف پر ہے۔ یہ عرف ہی ہے جو صریح کو کنایہ اور کنایہ کو صریح بنا دیتا ہے۔

جب صریح کنایہ بن سکتا ہے اور کنایہ صریح ہو سکتا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ صریح ہمیشہ صریح اور کنایہ ہمیشہ کنایہ ہی رہے۔ طلاق کے معاملے میں کسی لفظ کو ابدی، دائمی، قطعی، ازلی اور حتمی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ پچھلوں کا عرف ہمارے لیے اور ہمارا عرف بعد والوں کے لیے حجت نہیں ہے۔ اس بنا پر کسی لفظ کی نوعیت متعین کرتے وقت سوال ''کیا تھا؟'' کا نہیں بلکہ ''کیا ہے؟'' کا ہوگا۔ فقہاء بہت پہلے وضاحت فرما گئے ہیں کہ معاشرے کے دیگر احوال کی طرح عرف بھی بدلتا رہتا ہے، اور جب عرف بدلتا ہے تو اس کے ساتھ حکم کی تبدیلی بھی ناگزیر ہو جاتی ہے: ''**لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الأزمان**'' مشہور قاعدہ ہے۔ جب مدار عرف پر ہے اور عرف ہر جگہ اور ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتا تو صرف اس قدر جان لینا کافی نہ ہوگا کہ کوئی لفظ طلاق کے لیے سمجھا جاتا تھا، بلکہ موجودہ عرف کی تحقیق ضروری ہوگی، لہٰذا کسی قدیم کتاب میں کوئی لفظ الفاظِ طلاق کی فہرست میں درج ہو، مگر اب وہ لفظ طلاق کا مفہوم ہی نہ رکھتا ہو تو وہ طلاق کا لفظ ہی نہیں ہے، اور اگر کوئی لفظ کسی زمانے میں طلاق ہی کے لیے استعمال ہوتا تھا، مگر اب اس سے طلاق دینے کا عام عرف نہ ہو تو وہ صریح نہ سمجھا جائے گا اور جس کا استعمال طلاق اور غیر طلاق دونوں کے لیے تھا، مگر اب اس کا غالب استعمال طلاق کے لیے ہے تو وہ کنایہ نہیں، بلکہ صریح کہلائے گا۔

۵:.....جس طرح یہ ممکن ہے کہ ایک لفظ ایک زمانے میں طلاق کے لیے ہو، مگر دوسرے زمانے میں وہ طلاق کے لیے نہ ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک لفظ ایک برادری کے ہاں طلاق کے لیے ہو، مگر کسی دوسری قوم یا کمیونٹی میں وہ طلاق کے لیے نہ سمجھا جاتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ امر واقعہ ہے کہ ایک لفظ ایک قوم کے ہاں کنایہ اور دوسری کے عرف میں وہ صریح ہو۔ اس بنا پر ایک ہی زمانہ میں ایک قوم کا عرف دوسری قوم پر حجت نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی لفظ کے متعلق مفتیان کرام کا جواب مختلف ہوتا ہے۔ ایک قوم یا علاقے والوں سے تو کسی لفظ کے متعلق نیت دریافت کی جاتی ہے مگر دوسری قوم اور برادری والوں سے یہ ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، وجہ وہی عرف کا فرق ہوتا ہے، مثال کے طور پر خیبر پختون خوا کے بعض علاقوں میں جب شوہر بیوی کو کہتا ہے کہ تو مجھ پر ماں بہن ہے تو نیت دریافت کیے بغیر طلاق بائن کا فتویٰ دیا جاتا ہے، مگر جہاں کا عرف اس لفظ سے طلاق کا نہ ہو وہاں نیت معلوم کی جاتی ہے۔

۶:.....عرف کی اہمیت اس قدر ہے کہ کوئی لفظ جو شرعاً طلاق کے لیے موضوع ہو، مگر کسی قوم کی زبان میں وہ طلاق کے لیے نہ ہو تو صرف اس بنا پر اس سے طلاق واقع نہیں سمجھی جائے گی کہ شرعاً وہ لفظ طلاق کے لیے موضوع ہے۔ فرض کیجئے ایک قوم ایسی ہے جن کی زبان میں طلاق کا لفظ رشتۂ زوجیت کو ختم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے مزید مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس قوم کے ہاں لفظ طلاق سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی، اگرچہ یہ لفظ قرآن وحدیث میں اسی مقصد کے لیے وارد ہے اور طلاق کے بارے میں صریح نہیں بلکہ ''أصرحُ صریح'' ہے۔ ''کلمہ ''أُفٍ'' اس کی نظیر ہے کہ جن لوگوں کے عرف میں یہ کلمہ ایذا رسانی کا کلمہ نہ ہو، بلکہ اعزاز واکرام کے لیے استعمال ہوتا ہو تو ان کی بول چال میں یہ لفظ والدین کو کہنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ یہی حال اَیمان (قسموں) کا ہے کہ اس کا مدار بھی چونکہ عرف پر ہے، اس لیے جب عرف اور لغت کا اختلاف ہوتا ہے تو برتری عرف کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

۷:.....لفظِ طلاق کا اثر اور نتیجہ کیا ہوگا، اس سے رجعی واقع ہوگی یا بائن؟ اس کا تعین ایک تو معنی کی شدت اور خفت سے ہوتا ہے، مثلاً: جس لفظ میں شدت اور سختی ہو اور معلوم ہوتا ہو کہ شوہر رشتے کو فوری طور پر ختم کرنا چاہتا ہے، اس سے بائن واقع ہوگی۔ دوسرا عامل عرف ہے، فقہاء رجعی یا بائن کا فیصلہ کرتے وقت عرف کو بطور علت کے پیش کرتے ہیں۔ جن فقہاء کے نزدیک صریح سے رجعی ہی واقع ہونی چاہیے، ان کی اس دلیل کی بنیاد پر تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ عرف کی بنا پر ہی رجعی واقع ہوتی ہے، کیوں کہ رجعی طلاق صریح سے ہوتی ہے اور صریح عرف کی وجہ سے صریح ہوتا ہے تو رجعی بھی عرف کی وجہ سے ہوتی ہے، البتہ اس دلیل میں اس پہلو سے تامل معلوم ہوتا ہے، بعض کنایہ الفاظ ہیں مگر ان سے رجعی واقع ہوتی ہے۔

۸:.....مضارع کے صیغے سے طلاق نہیں ہوتی مگر جب عرف میں اس کا اکثر استعمال زمانہ حال کے لیے ہو تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۹:.....عرف چند اور شرائط کی بھی تکمیل کرتا ہے، مثلاً: طلاق کی اضافت بیوی کی جانب ضروری ہے، مگر کوئی لفظ عرف میں طلاق کے لیے مخصوص ہو گیا ہو تو اضافت ضروری نہیں رہتی ہے، جیسے ''**الطلاق یلزمنی**'' اور ''**الحرام یلزمنی**'' وغیرہ الفاظ کے متعلق اضافت کے بیان میں تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰:.....کنایہ سے طلاق اس وقت واقع ہوتی ہے جب متکلم اپنی نیت کا اظہار کردے یا قرائن سے اس کی نیت معلوم ہو جائے، مگر جب کنایہ کا عمومی استعمال طلاق کے لیے ہونے لگے تو پھر نیت کی ضرورت نہیں رہتی، عرف ہی نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

۱۱:.....شوہر نے تین مرتبہ طلاق کا لفظ دہرایا اور اپنی نیت تاکید کی بیان کرتا ہے اور عرف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تو فتویٰ اس کی نیت کے مطابق دیا جائے گا۔

(جاری ہے)